محبت کے پھول

(ماہیے)

حیدر قریشی

انٹرنیٹ ایڈیشن

Mohabbat Kay Phool

Poetry By: ***Haider Qureshi***

نام کتاب: **محبت کے پھول** (ماہیے)

شاعر: حیدر قریشی

اشاعت اول: ۱۹۹۶ء

تعداد: ۵۰۰

مطبع:

قیمت: ۱۰۰ روپے

انٹرنیٹ ایڈیشن

جنوری ۲۰۱۴ء

نوٹ

"عمرِ گریزاں" میں جو ۴۲ ماہیے شامل تھے، انہیں اس مجموعہ میں
نئی ترتیب کے ساتھ شامل کرلیا گیا ہے۔ **(حیدر قریشی)**

انتساب

امی جی کے نام

پھولوں کی ہے نرمی بھی
اس کی محبت میں
صحراؤں کی گرمی بھی

لگتی تھی دعا ماں کی
نیم شبی شبنم
اور چاندنی کی جھانکی

ترتیب

ماہیے

مہکار ہے کلیوں کی
جیسے دعا کوئی
دھرتی پہ ہو ولیوں کی



محبت کے پھول

ماہیا پنجابی زبان کا لوک گیت ہے۔شادی بیاہ اور خوشی کی تقریبات میں پنجاب کے دیہات میں ماہیے بڑے شوق سے گائے جاتے ہیں۔ماہیے کا پہلا اور تیسرا مصرعہ ہم وزن ہوتا ہے جبکہ درمیانی مصرعہ اس وزن سے ایک ''سبب'' یعنی دو حرف کم ہوتا ہے۔پنجابی زبان اتنی لچکدار ہے کہ اس کے الفاظ کو ضرورت کے مطابق کھینچ کر لمبا بھی کر لیا جاتا ہے اور الانگ بھی لیا جاتا ہے۔زبان کے اس لچکیلے پن کی وجہ سے بعض لوگوں نے یہ خیال کیا کہ پنجابی ماہیے کے تینوں مصرعے ہم وزن ہیں اور بعض نے یہاں تک کہہ دیا کہ اس کا دوسرا مصرعہ پہلے اور تیسرے مصرعے سے بڑھ بھی جاتا ہے۔ایسی غلط فہمیاں ان لوگوں میں پیدا ہوئیں جنہوں نے ماہیے کو صرف تحریری صورت میں دیکھا لیکن جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا ہے کہ ماہیا پنجابی زبان کا لوک گیت ہے۔اس لوک گیت کی اپنی ایک مخصوص دھن ہے بہت سارے فلمی گیتوں میں ماہیے پیش کرتے وقت نئے نئے تجربات بھی کئے گئے لیکن تمام تجربات میں ماہیے کی بنیادی دھن کو ملحوظ رکھا گیا چنانچہ ماہیے کی تمام فلمی اور غیر فلمی دھنوں میں اس کی بنیادی دھن کی روح موجود ہے اسی روح سے ماہیے کے وزن کا فیصلہ ہوتا ہے کہ اس کا دوسرا مصرعہ پہلے اور تیسرے مصرعے سے ایک سبب کم ہوتا ہے۔

اردو میں ماہیے کا وزن ابھی تک ان دو صورتوں میں سامنے آیا ہے اور یہ دونوں وزن پنجابی ماہیے کے مطابق درست ہیں۔

۱۔ فعلن فعلن فعلن — کچھ رشتے ٹوٹ گئے
فعلن فعلن فع — برتن مٹی کے
فعلن فعلن فعلن — ہاتھوں سے چھوٹ گئے

۲۔ مفعول مفاعیلن — مل مہکی فضاؤں سے
فعل مفاعیلن — یار نکل باہر
مفعول مفاعیلن — اندر کے خلاؤں سے

اردو میں ماہیا نگاری کی موجودہ لہر کا آغاز اسی کی دہائی میں ہوا۔تب شعرائے کرام نے پنجابی ماہیے کے وزن کی نزاکت پر غور کئے بغیر تین یکساں وزن کے مصرعوں کے انبار لگانے شروع کر دیئے۔کسی بھلے مانس کو اتنا خیال بھی نہ آیا کہ کبھی اپنے ''ماہیوں'' کو ماہیے کی دھن میں گنگنا کر بھی دیکھ لے۔1990ء میں جب ماہیے کے اصل وزن کی طرف توجہ دلائی گئی تو تین یکساں مصرعوں کے ثلاثی ماہیے کے نام سے پیش کرنے والے شعراء کرام نے بجائے اصلاح کے برہمی کا مظاہرہ شروع کر دیا۔تب میں نے ایک طرف ادبی رسائل میں وضاحتی خطوط اور مضامین چھپوائے تو دوسری طرف پنجابی ماہیے کے وزن کے مطابق اردو میں بھی ماہیے پیش کرنا شروع کر دیئے۔

میں ابتدائی تین چار برسوں میں صرف ۴۲ ماہیے کہہ سکا۔وجہ یہ تھی کہ میں ماہیے کہنے کیلئے بھی اپنے تخلیقی لمحوں کی آمد کا منتظر رہتا تھا۔یہ اولین بیالیس ماہیے میرے دوسرے شعری مجموعہ ''عمرِ گریزاں'' میں میری غزلوں اور نظموں کے ساتھ چھپ چکے ہیں۔بعد میں ماہیے کی بحث مزید آگے بڑھی تو اس سے مجھے تحریک ملی اور جب شعراء کی بھاری اکثریت غلط وزن کو چھوڑ کر (میرے بیان کردہ) اصل پنجابی ماہیے والے وزن کو اپنانے لگی تو اس سے بھی مجھے داخلی طور پر خاصی تقویت ملی۔چنانچہ وقفے وقفے سے آنے والی متعدد تخلیقی لہروں نے میری ماہیوں کی دو سنچریاں پوری کر دیں تو میں نے انہیں کتابی صورت میں پیش کرنے کا ارادہ کر لیا۔

پنجابی ماہیے کا پہلا موضوع تو اپنے ماہی سے باتیں کرنا اور اپنے ماہی کی باتیں کرنا ہی ہے۔ ان میں محبوب کے حسن و جمال کی باتیں، پیار کے اقرار اور پیار میں تکرار کی باتیں، عہد و پیمان، ہجر، وصال، گلے، شکوے اور معاملہ بندی کی حد تک پہنچی ہوئی چھیڑ چھاڑ کی باتیں شامل ہیں۔ شادی بیاہ کے موقع پر مختلف انسانی جذبات کا اظہار بھی ماہیوں میں ہوتا ہے۔ ماہیے کے موضوعات میں وسعت پیدا ہوئی تو حمد، نعت، منقبت اور دعائیں بھی ماہیے کے روپ میں کہی گئیں۔ زندگی کے مسائل دکھ سکھ، غم اور خوشیاں اور رشتہ داریاں بھی ماہیے کا موضوع بنتی گئیں۔ ماہیے میں جو بات بھی کہی جاتی ہے فلسفیانہ انداز کے بجائے دل میں اتر جانے والے انداز سے کہی جاتی ہے۔ میرے اردو ماہیے، پنجابی ماہیے کی اسی روایت سے جڑے ہوئے ہیں۔ سرائیکی النسل ہونے کے باوجود میری مادری زبان پنجابی ہے اس لئے پنجابی ماہیے کی روایت میرے اندر رچی بسی ہوئی ہے۔ اس روایت سے منسلک رہ کر اردو میں ماہیے کہنے کے بعد مجھے ہمیشہ تخلیقی آسودگی کا احساس ہوا ہے۔ باقی خوب سے خوب تر کی لگن تو آخر دم تک رہتی ہے۔

یوں تو ہر ماہیا اپنی جگہ مکمل نظم ہوتا ہے تاہم میرے بعض ماہیے ایک ہی موضوع کے تحت ایک ہی لڑی میں ہوتے گئے۔ اپنے مولا کے حضور، سوہنی دھرتی، مکالمے کی صورت میں، ایک باغ میں ملنے والی ایک لڑکی، ۵ جولائی ۱۹۷۷ء، شادی بیاہ، پھر وہی داستاں اور اکتساب کے عنوان سے جو ماہیے اس کتاب میں شامل ہیں سب اپنی اپنی موضوعاتی لڑی میں پروئے ہوئے ہیں اور یہ ماہیے اسی تسلسل میں ہوئے تھے جبکہ باقی سارے ماہیے لخت لخت ہوئے تھے۔

''محبت کے پھول'' مرتب کرتے وقت میں نے ان ماہیوں کے موڈ اور موضوع کے مطابق الگ الگ سیٹ بنائے تو یہ بھی بڑی حد تک اپنے اپنے عنوان سے مربوط نظر آنے لگے۔ تاہم یہ ماہیے بنیادی طور پر الگ الگ ہیں۔ آپ جیسے چاہیں انہیں پڑھ سکتے ہیں۔

کیا ''محبت کے پھول'' کے ماہیے پنجابی ماہیے کے وزن، مزاج اور روح کے مطابق ہونے کے ساتھ ماہیا نگاری میں کسی نئی خوشبو کا احساس دلاتے ہیں؟

اس کا فیصلہ محبت کرنے والے قارئین نے کرنا ہے۔

حیدر قریشی

سب صبحوں کا تاج ہوئی
رحمتِ عالمؐ کو
جس شب معراج ہوئی

☆

دل شہرِ مدینہ ہو
نُورِ محبت سے
روشن ہر سینہ ہو

☆

اپنے مولا کے حضور

تُو خود میں اکیلا ہے
تیرے دم سے مگر
سنسار کا میلہ ہے

تُو خالقِ اعلیٰ ہے
''جو ہر نام سے اور
ہر رُوپ سے بالا ہے''

تاریک تھی، کالی تھی
تیرے مدثرؐ نے
جب دنیا اُجالی تھی

پھیلے تھے اُجالے سے
کملی والےؐ کے
پرُ نوُر حوالے سے

سب صبحوں کا تاج ہوئی
رحمتِ عالمؐ کو
جس شب معراج ہوئی

القلم گواہی سے
لفظ چمک اٹھے
تھے، نوُرِ سیاہی سے

(نوٹ: پنجابی میں روشنائی کو عام طور پر سیاہی کہا جاتا ہے)

اس درجہ کشادہ ہے
شہرِ علمؐ کا دل
بے حد سے زیادہ ہے



کچھ کچھ ہوا اندازہ
طے نہ ہوا ہم سے
جب علم کا دروازہؓ



نکلی ہے یہ دل سے دعا
فیضِ محمدؐ سے
ربّ زدنی علما





ہمت اور طاقت دے
عہدِ یزیدی میں
شبیرّ ی شجاعت دے



نفرت کے اندھیروں کو
توڑ مرے مالک
ظلمات کے گھیروں کو



دنیا پہ کرم کر دے
پیار کی سینوں میں
پھر روشنیاں بھر دے



سوہنی دھرتی



ہریالیاں گندم کی
پہنی ہیں دھرتی
نے بالیاں گندم کی



مکھ دھرتی کا نُورانی
جھومر پیڑ اس کے
کھیت اِس کی ہیں پیشانی



باغات کی افشاں ہے
اور حسیں جنگل
کی زُلفِ پریشاں ہے





کیا رُوپ نکالا ہے
گردن میں اِس کی
دریاؤں کی مالا ہے



جذبوں سا سمندر بھی
سینۂ دھرتی کے
باہر بھی ہے، اندر بھی



جھیلیں اس کے درپن
اور سُرنگیں ہیں
دھرتی کے حسیں کنگن





رُت پیار کے میلوں کی
گجرے کلیوں کے
جھانجھر سی ہے بیلوں کی



خوشبو احساس اس کا
رنگت سرخ، سفید
اور سبز لباس اس کا



پھولوں کی ہے نرمی بھی
اس کی محبت میں
صحراؤں کی گرمی بھی





چشمے کہساروں کے
فیض یہ دھرتی ماں
کے دُودھ کی دھاروں کے



چاند اور ستارے ہیں
ہم سب اِس دھرتی
کے راج دُلارے ہیں



چند رشتے



برگد کی جٹائیں ہیں
ساتھ مِرے اب بھی
ابو کی دعائیں ہیں



تب آنکھ برستی ہے
دل میں کہیں چھپ کر
ماں جب مِری ہنستی ہے



لگی تھی دُعا ماں کی
نیم شبی شبنم
اور چاندنی کی جھانکی





ماضی کے حسیں سائے
چار مِری بہنیں
اور چار ہیں ماں جائے



یاد آ ہی گئے آخر
کچھ بھی سہی لیکن
بھائی ہیں مِرے آخر



رونق سی لگاتے ہیں
یادوں میں جب بھی
باباجی آتے ہیں



☆

تجھ کو بھی کھلاتے تھے

مامی☆ کے کمرے سے

گُڑ جب بھی چُراتے تھے

(☆**ممانی مجیدہ**)

☆

بیٹے

دریا کی روانی ہے

اب مرے بیٹوں میں

مری گذری جوانی ہے

☆

بیٹیاں

مری چڑیوں کی جوڑی ہے

اک پہلوٹھی کی

اک پیٹ کھروڑی ہے

☆

بیوی

اک رُوح کا قصہ ہے

میرے بدن ہی کا

جو گم شدہ حصہ ہے

☆

؟

سونے کی انگوٹھی ہے

پیار میں سچی ہے

پر قول کی جھوٹی ہے

☆

خود

جنموں کی اُداسی ہے

جسم ہے آسُودہ

پَر رُوح تو پیاسی ہے

☆☆☆

پھول رُت



بچپن کا زمانہ تھا
تتلی کے رنگوں
سے لکھا فسانہ تھا



چمبیلی کی کلیاں تھیں
اپنی جوانی تھی
اور شہر کی گلیاں تھیں



رنگت مرے خوابوں کی
اُس کے بدن میں ہے
خوشبو سی گلابوں کی





مستی ہے ہواؤں میں
رات کی رانی کی
خوشبو ہے فضاؤں میں



رُت آ گئی پھولوں کی
جان کے ہوتی ہوئی
معصوم سی بھُولوں کی



پھولوں سے بھرا آنگن
جیسے کسی الہڑ
دوشیزہ کا ہو جوبن



داستانیں



چاہت کے اصولوں پر
تھل کا سفر سارا
کر ڈالا بگولوں پر



پنوں تھا کہ بادل تھا
آنکھ میں سسی کی
صحرا کوئی جل تھل تھا



پہلے پُر آب ہوئی
یاد میں سوہنی کی
پھر آنکھ چناب ہوئی





اک بنسی نشانی تھی
کرشن کنہیا اور
رادھا کی کہانی تھی



جب بیٹھی تھی مانجھے میں
ہیر میں تھا رانجھا
اور ہیر تھی رانجھے میں



اَن ہونے کام ہوئے
سیتا کے ہاتھوں
پتھر بھی رام ہوئے



شادی بیاہ

(مہندی)



اظہار محبت کے
پھول وفاؤں کے
اور ہار محبت کے



اقرار کی گھڑیاں ہیں
جگمگ کرتی ہوئی
یہ سہرے کی لڑیاں ہیں



مہندی جب لال ہوئی
شرم سے بنو بھی
تب لال گلال ہوئی



رنگ مہندی کا گہرا ہے
حُسن خزانہ ہے
اور زُلف کا پہرا ہے



کیا رُوپ ہے دلہن کا
سچی محبت ہی
زیور ہے سہاگن کا



شب تاب نظاروں سے
مانگ رہے روشن
افشاں کے ستاروں سے



(رخصتی)



یہی رسمِ زمانہ ہے
بابل کے گھر کو
اب چھوڑ کے جانا ہے



رُخصت کی گھڑی آئی
دل ماں کا دھڑکا
آنکھوں میں جھڑی آئی



بارات کا منظر ہے
خوشیوں کا موسم
برسات کا منظر ہے





اَشکوں کی صداؤں میں
رخصتی ہوتی ہے
خوشیوں کی دعاؤں میں



ابریشمی خوابوں سے
سیج سدا مہکے
چاہت کے گلابوں سے



آباد رہیں مولا!
پیار بھرے دونوں
دل، شاد رہیں مولا!



مکالمے کی صورت میں

مرد: کتنے بدنام ہوئے
پیار میں تیرے ہم
پھر بھی ناکام ہوئے

عورت: ناکامی سے ڈرتے ہو
عشق بھی کرتے ہو
بدنامی سے ڈرتے ہو

مرد: اِس حال فقیری میں
عمریں بیت گئیں
زلفوں کی اسیری میں

عورت: زلفوں سے رہا ہو جا
رب تری خیر کرے
جا ہم سے جدا ہو جا

مرد: کیا لطف رہائی کا
دل جب سہہ نہ سکے
دُکھ تیری جدائی کا

مرد + عورت: ملنا ہو تو ملتے ہیں
پھول محبت کے
پت جھڑ میں بھی کھلتے ہیں

☆☆☆

ایک باغ میں ملنے والی ایک لڑکی



ہونٹ اس کے اناری ہیں
گال ہیں اس کے یا
دو سیب قندھاری ہیں



اک خواب ہے جندڑی کا
رس بھری لڑکی ہے
یا آم ہے سندھڑی کا



ان آنکھوں کی مغروری
ہوش اُڑا ڈالے
وہ شربتِ انگوری





خوشبو اناس ایسی
میٹھے سے لہجے
میں، باتیں کھٹاس ایسی



سوہنی ہے یا ہیر ہے وہ
اتنی ہے مجھ کو خبر
جنت کا انجیر ہے وہ



وہ میٹھی کھجور بھی ہے
اونچی مگر اتنی
میری پہنچ سے دور بھی ہے



میرے دیہات



کھیتوں کے کنارے ہیں
دور تلک پھیلے
فصلوں کے نظارے ہیں



جھنکار بلونے کی
مظہر گاؤں میں
ہر صبح کے ہونے کی



شیشم کی قطاریں ہیں
لُو کے تھپیڑوں میں
راحت کی بہاریں ہیں





منظر ترے گاؤں کے
گرم دوپہروں میں
ہنستی ہوئی چھاؤں کے



چلتے رہیں بَلئیے
محنت والوں کو
ملتے رہیں پھل بَلئیے



ریوڑ کئی بھیڑوں کے
نہر کنارے پر
وہ سلسلے پیڑوں کے





پودے جو کپاس کے ہیں
منظر پھولوں کی
خوشیوں کی آس کے ہیں



خوشبوؤں کے تختوں سے
آتے رہے جھونکے
کِنّوں کے درختوں سے



بُور آ گیا آموں میں
رونقیں جاگ اٹھیں
دیہات کی شاموں میں





اللہ کی گائیں ہیں
باعثِ برکت جو
بوڑھی امائیں ہیں



پگڈنڈیوں کے دل دھڑکیں
بستی میں پکی
جب بچھنے لگی سڑکیں



بجلی کے لگے کھمبے
کٹ گئے، رستے میں
جو پیڑ بھی تھے لمبے



۵ر جولائی ۱۹۷۷ء



تھوڑی سی پرانی ہے
انساں کی، طوطا
چشمی کی کہانی ہے



گلشن پہ عذاب ہوا
توپ کی طاقت سے
اِک گدھ سُرخاب ہوا



بندوق دکھاتا تھا
بلبلوں، چڑیوں کو
دھمکاتا' ڈراتا تھا





جب کوے، چکور ہوئے
فصلی بٹیرے بھی
مِرے دیس کے مور ہوئے



پرواز پہ پابندی
سارے پرندوں کی
آواز پہ پابندی



پوچھے کوئی بگلوں سے
سرخ ہوئے دریا
جب عشق کے پگلوں سے





اک باز کو قید کیا

اور پھر قید میں ہی

اس باز کو صید کیا



کرُلاتی تھیں جب کونجیں

اب تک سینے میں

فریادیں وہی گونجیں



اک کوک تھی کوئل کی

ہوک سی لگتی تھی

لیکن وہ ہر اک دل کی



پھر قصہ ہی پاک ہوا

ایک اڑان میں جب

وہ گدھ بھی ہلاک ہوا



سلگتے خواب



بے شک ہیں جدا مولا
میرے پیاروں کو
خوش رکھنا سدا مولا



اتنے نہ ترس جائیں
پیاس کے ماروں کی
آنکھیں نہ برس جائیں



کچھ رشتے ٹوٹ گئے
برتن مٹی کے
ہاتھوں سے چھوٹ گئے





کیسی تحریریں ہیں
دشمن اپنے ہی
ہاتھوں کی لکیریں ہیں



چُپ کا افسانہ تھا
دل یہ ہمارا تو
خاموش دوانہ تھا



جاں وار گئے پیارے
جگ تمہیں جیت گیا
ہم ہار گئے پیارے





دُھن کتنی ہی پکی ہو
پیار نہیں چلتا
جب یار ہی شکّی ہو



ہر بات انجانی ہے
پر یہ تمہارا دُکھ
میری ہی کہانی ہے



رُوٹھے کو منانا ہے
وقت جو بیت گیا
پھر واپس لانا ہے





گندم کی کٹائی پر
چھوڑ دیا گاؤں
گوری کی سگائی پر



چلنے کو ترستے ہیں
منزل گم ہے کہیں
بکھرے ہوئے رستے ہیں



حالات کے دھارے سے
آن لگے آخر
ہم اپنے کنارے سے



عمرِ گریزاں



خوشیوں کی گھڑی آئی
آنکھ کے صحرا میں
یادوں کی جھڑی آئی



تم آم اڑاتے تھے
اور ہم مالی کو
باتوں میں لگاتے تھے



شربت گڑ، ستّو کا
ٹھیلا ہوتا تھا
ترے بابے پھتّو کا





ماضی کی دشاؤں سے
کون بلاتا ہے
یادوں کی گپھاؤں سے



دوپہر جوانی تھی
پل میں بیت گئی
پھر شام سہانی تھی



پیپل کی گھنی-- چھایا
گذرے زمانے کا
سایہ کوئی لہرایا





وہ نین غزالی تھے

فیصلہ کیا ہوتا

سب اس کے سوالی تھے



اٹھتی ہے کسک پھر بھی

گرچہ ابھی تک ہے

جوبن کی مہک، پھر بھی



دن وصل کے تھوڑے ہیں

جی بھر کر مل لو

پھر لمبے وچھوڑے ہیں





مرجھائے درختوں کو

دیں گی بہاریں کیا

ہم سوختہ بختوں کو



پت جھڑ کی ہوائیں تھیں

سہمے پرندوں کے

ہونٹوں پہ دعائیں تھیں



مل مہکی فضاؤں سے

یار نکل باہر

اندر کے خلاؤں سے



وصال کا موسم



گل عشق کی شان کی تھی
لت پت ہونا تھا
یہ فصل ہی دھان کی تھی



نیت تھی مری کھوٹی
تم بھی تھے آمادہ
اور کھلتی گئی چوٹی



چڑھتے ہوئے جامن پر
داغ لگا بیٹھے
ترے پیار کا دامن پر





دونوں ابھی بچے تھے
رَل مل کھا بیٹھے
امرود جو کچے تھے



وہ ہاتھ دعا والے
جسم عطا والا
اور ہونٹ شفا والے



دیکھا جو کمادوں کو
جان گئی سجنی
ساجن کے ارادوں کو





کلیوں کی چٹک بھی تھی
سانولی لڑکی میں
اُپلوں کی مہک بھی تھی



غصہ تری اکھیوں کا
شہد سے لب لیکن
چھتہ بھی ہو مکھیوں کا



اک جانگلی لڑکی سے
پیاس میں لسی ہی
پھر مانگ لی لڑکی سے





کچھ من کی خرابی تھی
کچھ اس چہرے کی
رنگت بھی گلابی تھی



کب دل کی وہ چھوٹی ہے
ہے تو کھرا سونا
بس تھوڑی سی کھوٹی ہے



کوئی عجب سی بھول ہوئی
پیار کے سودے میں
قیمت بھی وصول ہوئی



درد کی جاگیریں



کُونجوں کی قطاریں ہیں
درد سے کُرلائیں
یادوں کی جو ڈاریں ہیں



دُکھ حق تھا غریبوں کا
تم سے گلہ کوئی
نہ ہی شکوہ نصیبوں کا



اس پیار کی زنجیریں
دل کا ہیں سرمایہ
یہ درد کی جاگیریں





زخموں سے بھرا سینہ
عشق کی دنیا میں
جینا ہے یہی جینا



مسجد ہے نہ مندر ہے
دل یہ ہمارا تو
اک دکھ کا سمندر ہے



آنکھوں میں ستارے ہیں
ہجر کی شب میں بھی
وہ پاس ہمارے ہیں





نہیں، ہم نہیں روئے تھے
چاند کی کرنوں میں
کچھ موتی پروئے تھے



تُو کس کا سوالی تھا
دامنِ دل جس کا
خود اپنا ہی خالی تھا



سب دُکھ کے فسانے تھے
آنکھ کے آنسو تھے
یا اوس کے دانے تھے





پھرتے ہیں اکیلے میں
ساتھ نہیں کوئی
صدمات کے میلے میں



دکھ درد سے ہاروں کے
دیکھتے آ کے کبھی
حال اپنے بماروں کا



بے نام اُداسی کو
کون سمجھ پاتا
تیرے بَن باسی کو



محبت کے پھول



سوہنی ہے نہ ہیر ہے وہ
اس کی مثال کہاں
آپ اپنی نظیر ہے وہ



کچھ ہم نے ہی پی لی تھی
یا پھر سچ مچ ہی
وہ آنکھ نشیلی تھی



جوگی کے نہیں پھیرے
دل جہاں آ جائے
وہیں ڈال دیئے ڈیرے





کچھ قید سنا دیتے
عشق کے مجرم کو
کوئی تو سزا دیتے



کیا رنگِ بہار آیا
میک اپ اُس نے کیا
اور دل پہ نکھار آیا



ہر دُکھ ہم بھول آئے
موم ہوئے جب تم
کیکر پہ بھی پھول آئے





مُونجی کی چھڑائی تھی
پہلے پہلے بَلیئے
جب آنکھ لڑائی تھی



بیروں سے لدی بیری
جو مرضی اس کی
اب مرضی وہی میری



کوئی وہم یا جادو تھا
رنگ ہَوا، اُس کا
جسم اُس کا خوشبو تھا





اظہار ضروری ہے
پیارا گر ہو تو
اقرار ضروری ہے



لمحاتِ حضوری میں
فرق نہیں رہتا
قربت اور دُوری میں



دل شہر مدینہ ہو
نورِ محبت سے
روشن ہر سینہ ہو



پھر وہی داستاں



اک دیو کا ہے پالا
ایک خزانے پر
اک سانپ ہے رکھوالا



اک ظالم جادوگر
راہ میں آ، آ کے
پھونکے گا کئی منتر



رنگ بدل کے آئے گا
ہر اک موڑ پہ ہی
رہ رہ کے ڈرائے گا





آوازیں بھی آئیں گی
رو کے، کبھی ہنس کے
پیچھے سے بلائیں گی



گھبرا کے یا پھر ڈر کے
مُڑ کے اگر دیکھا
ہو جاؤ گے پتھر کے



اَن دیکھے جہانوں تک
دل نے پہنچنا ہے
چاہت کے خزانوں تک



خاک نشیں



مل خاک نشینوں سے
چاند طلوع ہوتے
ہیں جن کی جبینوں سے



سورج ان ہاتھوں میں
اور ستاروں کے
اَسرار ہیں باتوں میں



لمحات دُعاؤں کے
رقص کناں منظر
وہ کاہکشاؤں کے





گو خاک پہ رہتے ہیں
لیکن دیکھو تو
افلاک پہ رہتے ہیں



اُلجھے جو فقیروں سے
یوں سمجھو الجھے
اپنی تقدیروں سے



جھُک آئے فلک سائیں
دیکھی تھی ہم نے
بس ایک جھلک سائیں!



حضرت علیؓ کے بعض فرمودات سے اکتساب



اللہ کو جان لیا
جس نے بھی اپنے
من کو پہچان لیا



اب سمجھ میں آیا ہے
علم کے نقطے کو
جہلا نے بڑھایا ہے



دنیا میں خراب ہوا
محبوب اور محبّ
میں عشق حجاب ہوا

(توحید کا بھید)



وہ شخص ہی جاہل ہے
جو توحیدِ خدا
کے بارے میں سائل ہے



پھر جو اسے سمجھائے
دے کے مثال کوئی
خود شرک میں پڑ جائے



الحاد اسے سمجھو
دعویٰ، سمجھنے کا
توحیدِ مکمل کو





بے حد کے حدود نہیں
ہستیٔ باری کا
ہم جیسا وجود نہیں



وہ اکفر کافر ہے
جو کوئی حیدرؑ
توحید کا منکر ہے



رنگ برنگ



میں اک ازلی راہی
ساتھ نہ ہو یونہی
پھر سوچ لے چن ماہی



سب ہو گئے سودائی
عشق کی پا نہ سکے
وسعت اور گہرائی



کنڈلیاں دستاروں کی
اہلِ محبت ہیں
زد میں پھنکاروں کی





آنکھوں سے گماں تک کا
اپنا سفر سارا
تھا جسم سے جاں تک کا



ہر خواہش جل گئی ہے
اب کیوں آئے ہو
جب عمر ہی ڈھل گئی ہے



دُکھ، سکھ کو نکھار آئے
بجھتے، چمکتے ہوئے
جیون کو گذار آئے





بادل ہیں گھنیرے سے
چہرہ کوئی اُبھرا
یادوں کے بنیرے سے



دکھ اپنا تو کہہ جاتے
کاجل بن کے تری
آنکھوں سے جو بہہ جاتے



جتنے بے تاب ہوئے
آپ کی چاہت میں
ہم اُتنے خراب ہوئے





کیا اُن کو بتائیں ہم
اُن کی محبت تو
خود سے بھی چھپائیں ہم



پھر رقص میں بادل ہے
چھم چھم بجنے لگی
پھر بوندوں کی پائل ہے



سورج ہو کہ خود تُو ہو
رات کے سینے میں
کوئی تیر ترازو ہو





سرسبز سماں ہوگا
جل گئے خواب اگر
آنکھوں میں دھواں ہوگا



بے دوش چناروں پر
پھل کیسے آتے
تقدیر کے ماروں پر



آسان سفر کر لو
آنکھوں کو دریا
اور دشت کو گھر کر لو





کشکولِ نظر بھر دے
اپنے کرم کی نظر
اے میرے سخی کر دے



کہاں آنکھ مٹکی ہے
پیس کے رکھ دے گی
پتھر کی وہ چکی ہے



قصوں کا بہانہ تھا
دوجے حوالوں سے
دکھ اپنا سنانا تھا





سلور کی وہ تھالی ہے
رنگ کی گوری ہے
پر قسمت کالی ہے



دکھ درد کی دولت کے
یونہی رہیں روشن
یہ داغ محبت کے



بے کار کے رونے سے
کچھ بھی نہیں ملتا
پانی کو بلونے سے





یہ دل بھی لگا کھلنے
لہنگا ہرا پہنے
آیا ہے کوئی ملنے



چاہت کی گواہی تھے
ہم بھی کبھی یارو
اک ہیر کے ماہی تھے



مہکار ہے کلیوں کی
جیسے دعا کوئی
دھرتی پہ ہو ولیوں کی





جب ماہیے کی بات آئی
ساتھ ہی سکھیوں کے
پیتل کی پرات آئی



جھجھری بھی بجاتے ہیں
تال پہ تالی کے
جب ماہیے گاتے ہیں



کلیاں سی چٹک جائیں
پھول محبت کے
ہر دل میں مہک جائیں



تاثرات



''ماہیا'' پنجابی شاعری کی مشہور مقبول صنف ہے۔اردو میں حیدر قریشی نے اسے رائج کیا اور کچھ اس طرح رائج کیا کہ ماہیا ماہیا کرتا وہ خود ماہیا بن گیا۔اس نے اس صنف کا پودا اردو کی سرزمین میں کچھ یوں کاشت کیا کہ اس کی آبیاری کے لئے لکھنے والوں کی ایک بڑی ٹیم جمع کر لی۔ماہیا کے لئے وضاحتی اور تعارفی مضامین بھی لکھے اور ماہیئے بھی۔**(عمرِ لاحاصل کا حاصل پر لکھے گئے مضمون سے اقتباس)**

حیدر قریشی کے اردو ماہیے پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ اس نے اس صنف کے مزاج کو پہچانا ہے' جانا ہے۔اپنے اندر اس صنف کو اتارا ہے۔اس کے بعض ماہیے تو ایسے ہیں جن کی مثال اردو ماہیا تو کیا پنجابی ماہیا میں بھی مشکل ہی سے ملے گی۔انہیں پڑھ کر انسان اداس ہو جاتا ہے اور اس کے دل و دماغ پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔**(محبت کے پھول پر مضمون سے اقتباس)اکبر حمیدی**(اسلام آباد)



حیدر قریشی کے ماہیوں کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے یہاں تشبیہیں انوکھی اور اصلیت پر مبنی ہیں۔مناسبات لفظی اور تلمیحات کا برمحل استعمال ہے۔سادگی انتہا کی ہے۔ان میں جوش بھرا ہوا ہے جو پڑھنے والے کے جذبات کو برانگیختہ کرنے کا ہنر رکھتا ہے ان کے علاوہ ہندی، انگریزی، جرمن اور پنجابی زبان کے الفاظ سبک روی سے مستعمل نظر آتے ہیں۔اور کہیں کہیں سندھی اور سرائیکی الفاظ بھی راہ پا گئے ہیں۔یہ قاری پر گراں نہیں گذرتے بلکہ قاری ان سے لطف اندوز ہوتا ہے۔یہ ایک عمدہ فنکار کی نشانی ہے۔**ڈاکٹر عبدالرب استاد**(گلبرگہ یونیورسٹی)



حیدر قریشی کے ماہیے پڑھ کر احساس ہوتا ہے کہ انہوں نے جہاں ایک طرف اپنے اردگرد کی زندگی کو ایک مفکر کی آنکھ سے دیکھا ہے وہاں دوسری طرف انسان کی عمومی خوشیوں ، یادوں ، سوگواریوں ،غموں،آنسوں، امیدوں، حسن پرستیوں، شباب دوستیوں ،آنسوؤں، قہقہوں، ستم ظریفیوں، بیوقوفیوں ،تنہائیوں،حضوریوں،مجبوریوں اور دوریوں کا پرتاثیر انداز سے جائزہ لیا ہے۔

ڈاکٹر سعادت سعید(لاہور)



حیدر قریشی کی کتاب ''محبت کے پھول'' یقیناً اردو ماہیے میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔سب سے خوبصورت بات یہ ہے حیدر قریشی کا اردو ماہیاDiction کی تبدیلی کے باوجود سراسر پنجابی ماہیا ہے اور یہ ان کی بہت بڑی contribution ہے۔انہوں نے موضوع کے اعتبار سے ماہیے کو وسعت ضرور دی ہے مگر اس کی اصلی شناخت کو مجروح نہیں ہونے دیا' بلکہ اس کی چال میں ایک بانکپن آ گیا ہے۔میں ان کے ماہیوں سے بے حد لطف اندوز ہوا ہوں۔Inspire بھی ہوا ہوں۔میرے خیال میں ہر حساس قاری اس مجموعے میں دیئے گئے ماہیوں سے شاعر کی عظمت کا قائل تو ہو گا ہی۔۔۔ساتھ ساتھ وہ پنجابی ماہیے کو ایک نئے رُوپ میں دیکھے گا اور یقیناً اسے سراہے گا۔**نیاز احمد صوفی**(لاہور)



حیدر قریشی کی تخلیقی صلاحیتوں میں سے جو فیض اور جو حسن اردو ماہیے کو نصیب ہو رہا ہے اس کی اڑان ترقی کی انتہا سے کچھ دور نہیں۔حیدر قریشی کی ماہیا نگاری اور ''اردو ماہیے'' سے بے پناہ وابستگی اس بات کا یقین دلاتی ہے کہ ''اردو ماہیے'' کا مستقبل خوش آئند اور تابناک ہے۔

شگفتہ الطاف(بھاول پور)



ماہیے کو زندہ رکھنا تو خیر ایک ''فرضِ منصبی'' جیسی اصطلاح معلوم ہوتی ہے اور ایک تخلیق کار کا خون جب لفظوں کی رگوں میں دوڑ کر انہیں ماہیا' غزل' نظم' افسانہ یا کسی اور صورت میں زندگی دے یا یوں کہیے کہ اس کے چہرے پر اپنے رنگ بکھرا جائے تو صنف کی حفاظت پر بات کر کر کے ہم دراصل تخلیق اور تخلیق کار دونوں کی روحوں کو ٹھیس پہنچاتے ہیں۔ماہیے کو ''پروان چڑھانے'' کے حوالے سے حیدر قریشی صاحب کا ذکر بار ہا ہوا ہے اور ہوتا رہے گا مگر اہم بات ان کا کلام ہے جو اس صنف میں بھی اتنا ہی توانا اور تازہ ہے جتنا غزل اور نظم میں' ورنہ غور کیجیے تو لوگ صنف سے جڑ کر تخلیق کی خوبصورتی اور گہرائی کے بجائے سطحی عوامل' مثلاً ہندی/ فارسی لغت یا لہجے میں پھنس کر رہ جاتے ہیں اور تخلیق کے بجائے صنف کی خدمت کے حوالے سے پہچانے جانے پر اکتفا کر لیتے ہیں۔ایک مستند' نابغۂ روزگار ادیب کی یہی سب سے بڑی پہچان ہے کہ وہ ان ''تجاوزات'' کے پیچھے چھپ نہیں جاتا اور حیدر قریشی صاحب کی زبردست تخلیقی صلاحیت اس بات کا ثبوت ہے۔

فیصل عظیم(امریکہ)

